باسمہ تعالیٰ

جمع بین الصلاتین

اوقات نماز

قرآن کریم اور احادیث رسولؐ

کی روشنی میں

سرکار علامہ سید راحت حسین رضوی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

سرکار حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید علی رضوی صاحب قبلہ

ناشر:

ادارۂ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

فون وفیکس: 0091 522 4077872

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

مشخصات

نام کتاب: ....جمع بین الصلاتین

مصنف: ......آیۃ اللہ سید راحت حسین گوپالپوری، وعلامہ سید علی رضوی قمی

صفحات: 56

اشاعت: ....جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

تعداد: ۱۰۰۰

کمپوزنگ: .... محمد وصی اختر معروفی

کورڈیزائن: ....محمد وصی اختر معروفی

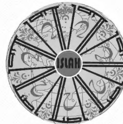
مطبوعہ: ....امپریشن پرنٹ ہاؤس، لکھنؤ

قیمت: 18/روپئے

ناشر: ......ادارۂ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ۔ ۳

ISBN-13 : 978-93-87479-18-0

ISBN-10 : 93-87479-18-8



بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاهله والصلوٰة علیٰ اهلها

''نماز دین کا ستون ہے'' اور اگر کسی وجہ سے یہ ستون کمزور ہوا تو پوری عمارت دین کا کمزور ہو جانا لازمی ہے۔ چونکہ نماز ایک توفیقی عبادت ہے، قدرت کی جانب سے معین کردہ عبادت ہے، لہٰذا نماز سے جڑا کوئی مسئلہ ہو اس میں نظریہ الٰہی اور حکم الٰہی کا معلوم ہونا ضروری ہے۔ اللہ کیا چاہتا ہے یہ معلوم کرنے کا سب سے مضبوط ماخذ کتاب الٰہی قرآن مجید ہے اور تشریح قرآن کا سب سے زیادہ بار اٹھایا ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لہٰذا اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احادیث صحیحہ سے رجوع کرنا منطقی امر بن جاتا ہے۔ اوقات نماز کے تعین میں بین السنۃ والشیعہ کچھ اختلافات ہیں وہ اختلافات قرآن و حدیث سے رجوع کرنے ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید علی صاحب رضوی گوپالپوری ثم اترولوی اعلی اللہ مقامہ نے دقت نظر سے ہی مذکورہ فریضہ انجام دیا ہے۔ مولانا مرحوم کی کتابوں کی اشاعت میں اترولہ کے مشہور تاجر

کتب حاجی للن میر صاحب مرحوم بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے یہ کتابچہ بھی ماضی میں انہیں کے توجہات سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا تھا۔اور اب ادارۂ اصلاح لکھنؤ نے اس کمیاب کتابچہ کی اشاعت نو کا بیڑہ اٹھایا ہے۔رسالہ کے مصنف محترم کے والد علام مرجع تقلید آیت اللہ سید راحت حسین صاحب قبلہ گوپالپوری طاب ثراہ کا مذکورہ موضوع پر ایک مضمون بھی شامل اشاعت کرلیا گیا ہے۔جس نے اس رسالہ کی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔اس کا مطالعہ فرمائیں اور بارگاہ معبود میں محمد و آل محمد علیہم السلام کے وسیلہ سے دعا فرمائیں کہ ادارۂ اصلاح لکھنؤ کی اشاعتی مہم میں ہمیشہ اس کے توفیقات شامل رہیں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارۂ اصلاح،لکھنؤ

یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

اوقات نماز فریقین

سرکار علامہ آیۃ اللہ سید راحت حسین رضوی گوپالپوری طاب ثراہ

میرا مذہب توفیقی ہے قیاسی نہیں ہے۔اس لئے ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کتاب خدااور احادیث معصومین علیہم السلام میں کیاہدایت کی گئی ہے۔

پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ میرے یہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ زوال کے بعد شاخص کا سایہ رکنے کے بعد رکنے کی جگہ سے بقدر شاخص کے ہونے تک نافلہ ظہر اور ظہر کی فضیلت کا آخری وقت ہے۔لیکن اگر کوئی شخص نافلہ پڑھنا نہ چاہے تو اس کے بقدر اس کے مقدمات نماز اور ظہر کو بجالائے وہ خاص ظہر کا وقت ہے جس میں دوسری نماز واقع نہیں ہوسکتی۔اس کے بعد عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے اس کے بعد بقدر دو شاخص کے ہونے تک نافلہ عصر انہ عصر کی فضیلت کا آخری دور ہے۔خلاصہ یہ کہ زوال سے سایہ شاخص کے دو شاخص کے برابر ہونے تک ظہر اور عصر کی فضیلت کا وقت ہے۔اس کے بعد اس وقت تک جب تک کہ غروب ہونے کو اتنا وقت رہ جائے کہ نماز عصر کو مع اس کے مقدمات (غسل،وضو،ستر) کے بجالاسکے ظہر اور عصر دونوں کا مشترک وقت ہے۔اس کے بعد غروب تک خاص عصر کا وقت ہے جس میں دوسری نماز نہیں ہوسکتی یعنی اگر ظہر

اور عصر دونوں نہ پڑھی ہوں تو اس وقت میں ظہر کو نہیں پڑھ سکتا۔ بلکہ عصر کو بہ نیت ادا پڑھے گا اور ظہر کو اس کے بعد بہ نیت قضا۔ حاصل کلام یہ کہ اول زوال ظہر کا خاص وقت ہے جس میں دوسری نماز نہیں پڑھ سکتا اور متصل بہ غروب عصر کا خاص وقت ہے جس میں ظہر کو نہیں پڑھ سکتا۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ کتاب خدا اور احادیث معصومینؑ سے آیا یہ ماخوذ ہے کہ ظہر کو اول وقت اور عصر کو آخر وقت پڑھنا ضروری ہے جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ یا دونوں نمازوں کا وقت وسیع ہے جب چاہیں اور جس وقت اور جس طرح چاہیں پڑھیں۔ یعنی جدا جدا یا ایک ساتھ۔ پس واضح ہو کہ کتاب خدا کے پانچ سوروں کی آیتیں اوقات نماز کے بیان میں ذکر کی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت سورۂ ہودؑ کی جس میں بلفظ اقم الصلوٰۃ نماز بجالانے کا حکم تو ہے لیکن صرف چار ہی نماز کا وقت بتایا گیا ہے طرفی النہار (صبح اور شام) سے نماز صبح اور عصر اور زلفاً من اللیل۔ سے مغرب اور عشاء۔

اب حضرات اہل سنت بتائیں کہ اس آیت کی بنا پر نماز ظہر کو صبح کے ساتھ پڑھیں گے یا عصر کے ساتھ یا چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ زوال کو بتانے والا کوئی لفظ اس میں نہیں ہے۔ میں الفاظ قرآن سے بحث کر رہا ہوں کسی مفسر کی رائے کو دخل دینا نہیں چاہتا کیونکہ اس کا درجہ حدیث کا ہے وہاں مذکور ہوگی۔ غرض کہ صبح کے ساتھ پڑھ نہیں سکتے کیونکہ جائز نہیں ہے۔ عصر کے ساتھ شام کو نہیں پڑھ سکتے کیونکہ شیعوں کی

پیروی یا موافقت ہوجائے گی جس سے بچنے کے لئے وہ لوگ قرآن اور حدیث کے صریح حکم چھوڑ دیتے ہیں اس لئے ظہر کی نماز ان کو چھوڑ ہی دینی چاہیئے۔ رہ گئے شیعہ تو ان کا مطلب اس طرح حاصل ہے ملاحظہ ہو:

"اقم الصلوٰۃ" (نماز پڑھو) "طرفی النہار" (دن کے دونوں کناروں میں صبح کے وقت صبح کی اور شام کے وقت ظہر اور عصر کی ایک ساتھ یا جدا جدا) "وزلفاً من اللیل" (اور رات کی گھڑیوں میں مغرب وعشا کی ایک ساتھ یا جدا جدا)۔

قاضی بیضاوی نے بھی اپنی تفسیر میں صبح اور عصر ہی لکھا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے: وقیل الظھر والعصر لان ما بعد الزوال عشی (یعنی بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظہر اور عصر دونوں مقصود ہیں کیونکہ زوال کے بعد کا وقت عشی کہلاتا ہے) میں عرض کرتا ہوں کہ یہ بیان غلط ہے، کیونکہ اس آیت میں عشی کا لفظ مذکور نہیں ہے۔ شائد اسی وجہ سے قاضی صاحب نے بلفظ قیل (مجہول) تعبیر کر کے اس کے ضعف کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

دوسری آیت سورۂ طٰہ کی جس میں تین وقت بتائے گئے ہیں جو پانچوں نمازوں کو شامل ہیں۔ قبل طلوع الشمس (قبل طلوع آفتاب کے) ظہر اور عصر کی نماز، ومن اللیل (اور رات کی گھڑیوں میں) مغرب اور عشا کی، اس میں "من فی" (میں) کے معنی میں ہے۔ اس میں آخر وقت یعنی صبح کے لئے قبل طلوع اور ظہرین کے لئے قبل غروب اور مغربین کے لئے بغیر تعیین کے رات کی گھڑیوں کو ذکر کرنا بتاتا ہے کہ

وقت کی وسعت کو بتانا چاہا ہے۔یعنی صبح صادق سے طلوع آفتاب تک صبح کی جب چاہو پڑھو اور زوال سے غروب تک ظہرین کو جب چاہو پڑھو۔ اور غروب کے بعد نصف شب تک مغربین کو جب چاہو پڑھو۔ اگر اہل سنت اس کو نہ مانیں تو اس آیت کی بنا پر ان کو لازم ہے کہ صبح کی نماز متصل بطلوع پڑھیں اور ظہرین کی شیعوں کی طرح ایک ساتھ متصل بغروب یا ظہر کی چھوڑ دیں اور صرف عصر کی متصل بغروب پڑھیں۔ قاضی بیضاوی بھی لکھتے ہیں کہ قبل غروب سے ظہرین مقصود ہے یا صرف عصر کی۔ اور مغربین کی رات کو جب چاہیں اگر چہ نصف شب کے بعد ہو۔ تیسری آیت سورۂ قٓ کی ہے اس میں بھی صرف تین وقت یعنی قبل طلوع الشّمس وقبل الغروب ومن اللیل مذکور ہے یعنی طلوع آفتاب کے قبل اور غروب کے قبل اور رات کو'' سورۂ طٰہ کے مطابق ہے جو گفتگو اس میں کی گئی ہے وہی اس میں بھی جاری ہوگی۔

چوتھی آیت سورۂ بنی اسرائیل کی ہے اس میں صاف صاف نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور پانچوں وقت کی نمازوں کا ملاحظہ ہو:

''اقم الصلوٰۃ''(نماز پڑھو)''لدلوك الشمس''(زوال آفتاب سے) ''الیٰ غسق اللیل''(نصف شب تک)''و قران الفجر''(اور صبح کے وقت) اس میں ہر نماز کے وقت کو جدا جدا معین نہ کرنا اور زوال سے نصف شب تک چاروں کو انجام دینے کا حکم دینا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے چاہے شروع وقت میں پڑھے یا وسط میں یا آخر میں اور جدا پڑھے یا ایک ساتھ۔''لدلوك''میں لام

من (سے) کے معنی میں ہے۔قاضی بیضاوی نے بھی غسق کا معنی عشا کا اخیر وقت لیا ہے پس ان چاروں سوروں کی آیتیں وقت کی وسعت اور نمازی کے اختیار کو بتا رہی ہیں کہ جب اور جس طرح چاہے پڑھے اور اس واسطے شیعوں کے عمل کے موید ہیں ان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو یہ بتاتا ہو کہ نماز ظہر اور مغرب کو اول وقت میں پڑھنا ضروری ہے اور عصر و عشا کو آخر وقت میں جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں۔

پانچویں آیت سورہ روم کی ہے جس میں چاروں وقتوں اور پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔**حین تمسون** (رات کے وقت مغرب اور عشاء) **و حین تصبحون** (صبح کے وقت صبح کی)**وعشیا** (شام کے وقت عصر کی)**و حین تظھرون** (ظہر کے وقت) ظہر کی ۔پس سابق کی چاروں آیتوں کے مطلب کو اس آیت کے مطلب سے ملانے پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سابق چاروں آیتوں کے مطابق زوال سے شام تک ظہرین کو اور غروب سے نصف شب تک مغربین کو جب اور جس طرح چاہیں پڑھیں۔ایک ساتھ یا جدا جدا اور پانچوں آیت کے مطابق صرف ظہرین کو جدا جدا پڑھ سکنے کو بتاتی ہے لیکن مغربین کے متعلق تفریق کو نہیں بتاتی۔

واضح ہو کہ ان پانچوں آیتوں میں نمازوں کے ادا کرنے کا طریقہ صاف بیان کیا گیا ہے اور دوسری تیسری، پانچویں آیتوں میں تسبیح وتحمید کرنے کا حکم ہے جس کی وجہ سے مولانا مقدس اردبیلی علیہ الرحمہ کتاب زبدۃ البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے کہ ان وقتوں میں نماز نہیں بلکہ تسبیح وتنزیہ اور حمد وثناء خدا

کرنا مقصود ہے۔ اس لئے یہ آیتیں تفسیر کی محتاج ہیں۔ تفسیر شیعہ پہلی اور چوتھی آیت کی تفسیر میں بسند صحیح زرارہ منقول ہے وہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رات اور دن میں پانچ نمازیں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا خداوند عالم نے ان کا نام بتایا اور اپنی کتاب میں بیان کیا ہے فرمایا؟ ہاں خدائے عزوجل نے اپنے نبی (حضرت سرور عالمؐ) سے ارشاد فرمایا: اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الخ) اور دلوک زوال کو کہتے ہیں پس دلوک سے غسق لیل تک چار نمازیں ہیں جن کا نام خدا نے بتایا اور ان کو بیان کیا اور ان کا وقت مقرر فرمایا ہے اور غسق لیل نصف شب کو کہتے ہیں۔ پھر فرمایا و قرآن الفجر پس یہ پانچویں نماز ہے اور اسی کے بارے میں خداوند عالم نے (سورۂ ہودؑ میں) ارشاد فرمایا ہے: اقم الصلوٰۃ طرفی النهار و زلفاً من الليل اور زلفا من الليل سے عشا کی مقصود ہے تفسیر اہل سنت علامہ سیوطی کی تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۱، میں طرفی النہار وزلفاً من اللیل کی تفسیر میں مجاہد کی حدیث اور جلد ۴ صفحہ ۱۹۵، میں دلوک الشمس اور غسق اللیل کی تفسیر میں ابن مسعود اور ابن عباس کی حدیثیں امام علیہ السلام کی تفسیر کے مطابق ہیں۔ اور دوسری آیت سورہ طٰہ کی ہے اس کی تفسیر میں صدوق علیہ الرحمہ بسند ضعیف حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ: قبل طلوع آفتاب اور قبل غروب آفتاب دس مرتبہ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي و يميت و هو حيّ لا يموت

کہا کرے۔

اور تفسیر اہل سنت علامہ سیوطی تفسیر درمنثور جلد ۴ ص ۳۱۲۔ میں حدیث ابن عباس وقتادہ میں ہے کہ اس سے پانچوں نمازیں مقصود ہیں۔ قبل طلوع آفتاب سے نماز صبح اور قبل غروب سے نماز عصر اور آناء اللیل سے نماز مغرب وعشا اور اطراف النہار سے نماز ظہر، پس چونکہ روایت صدوق علیہ الرحمہ غیر معتبر ہے اور میرے علمائے کرام نے بیان اوقات نماز میں اس سے استدلال کیا ہے اور اہل سنت کی حدیثیں ان کی موئد ہیں اس لئے اوقات نماز سے اس کے تعلق کو مان لینے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہئے۔

تیسری آیت سورۂ قٓ کی تفسیر میں بھی وہی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ جو سورۂ طٰہ کی تفسیر میں ذکر کی گئی ہے اور تفسیر اہل سنت درمنثور جلد ۶ ص ۱۱۰ میں نماز کا وقت بتایا گیا ہے اس لئے اس میں بھی وہی گفتگو جاری ہوگی جو اس میں ذکر کی گئی ہے۔

پانچویں آیت سورۂ روم کی تفسیر میں بسند ضعیف حضرت امام حسن علیہ السلام سے جو حدیث منقول ہے اس میں نماز ہی کے اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ علمائے کرام نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور تفسیر اہلسنت اور درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۵۴ کی کچھ حدیثیں اوقات نماز کو بتاتی ہیں۔ اور کچھ تسبیح وتحمید خدا کو۔ پس تسبیح وتحمید والی روایتوں کی بنا پر یہ آیت اوقات نماز کے بیان سے بے تعلق ہو جائے گی۔

واضح رہے کہ فریقین کی تفسیری حدیثوں میں سے کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ہر نماز کو جدا جدا نہ پڑھنا چاہئے۔ باقی رہیں حدیثیں تو میرے یہاں کی

آٹھ معتبر صحیح السند حدیثیں ظہرین اور مغربین کو فضیلت کے وقت میں یکے بعد دیگرے پڑھ لینے پر اس قدر شدت تاکید کو بتا رہی ہیں کہ دو تین علمائے متقدمین جن میں سے شیخ طوسی علیہ الرحمہ بھی ہیں اور بعض متاخرین نے اس کے وجوب کا فتویٰ دے دیا ہے۔
ان آٹھ میں سے ایک حدیث عبداللہ بن سنان کی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نماز کے لئے دو وقت ہیں (وقت فضیلت اور وقت اجزاء جو دونوں میں مشترک ہے) دونوں وقتوں میں سے پہلا وقت افضل ہے، (آگے چل کر فرمایا) **ولا ينبغي تاخير ذالك عمداً** یعنی اس وقت فضیلت سے زیادہ جان کر دیر کرنا مستحسن نہیں ہے۔ اور نو حدیثیں جن میں صحیح السند اور ضعیف السند دونوں طرح کی ہیں اور صحیح السند کی موافقت کی وجہ سے ان کا مضمون بھی معتبر ہو گیا ہے ان کا مضمون یہ ہے کہ زوال سے غروب تک ظہر اور عصر کا مشترک وقت ہے اور غروب کے بعد نصف شب تک مغرب وعشاء کا وقت مشترک ہے ان میں سے ایک حدیث داؤد بن فرقد کی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ زوال آفتاب ہونے پر ظہر کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چار رکعت ادا کر سکے۔ اس کے بعد ظہر اور عصر دونوں میں اس وقت تک مشترک رہتا ہے جب تک غروب ہونے کو چار رکعت کا وقت باقی رہ جائے پس اس وقت ظہر کا وقت نکل جاتا اور عصر کا وقت باقی رہ جاتا ہے اور غروب ہونے پر مغرب کا وقت داخل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ تین رکعت پڑھ سکے۔ اس کے بعد مغرب اور عشاء میں اس وقت تک مشترک رہتا ہے

جب تک نصف شب ہونے کو چار رکعت کا وقت باقی رہ جائے پس اس وقت مغرب کا وقت نکل جاتا اور عشاء کا وقت باقی رہ جاتا ہے۔

پس پہلی آٹھ حدیثوں سے بصراحت معلوم ہوا کہ وقت فضیلت میں یکے بعد دیگرے دو نمازوں کے پڑھنے کی تاکید ہے اور آخری نو حدیثوں میں جدا جدا پڑھنے کا ذکر نہ ہونا بتاتا ہے کہ مشترک وقت میں دو نمازوں کو ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ بقاعدہ اصول فقہ مطلق (بے قید) رکھنے کا مقتضا عند الفریقین یہی ہے اور دونوں کو ملا دینے سے جس کو اصطلاح فقہا میں جمع بین احادیث کہتے ہیں، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نمازوں کو اول وقت میں جو وقت فضیلت ہے پڑھ لینے کی تاکید شدید ہے لیکن اگر نہ پڑھے تو گنہگار نہ ہوگا اور نماز بھی ادا ہو جائے گی قضا نہ ہوگی۔

حدیثیں بطریق اہل سنت:

۱:۔حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

خدا کے نزدیک زیادہ محبوب نماز کو اس کے پہلے وقت میں جلدی پڑھ لینے کے لئے کرنا ہے۔

۲:۔اور ارشاد فرمایا کہ

نماز کے پہلے وقت کو اس کے دوسرے وقت پر ویسی ہی فضیلت ہے جیسی آخرت کو دنیا پر۔(کنز العمال جلد ۴ ص ۷۹ نمبر حدیث ۱۵۸۰ و ۱۵۸۱)

ان دونوں حدیثوں سے چار باتیں معلوم ہوئیں: ایک پہلے وقت میں پڑھنے

کی محبوبیت اور فضیلت اور دوسرے نمازوں کے لئے دو وقت کا ہونا (ایک فضیلت کا وقت دوسرے وقت اِجزا)

اس مضمون کی کنز العمال میں چار حدیثیں ہیں تین عبداللہ بن عمر کی اور ایک ام فروہ کی۔

۳:۔ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ ظہر کا پہلا وقت تین قدم سے پانچ قدم تک ہے (یعنی شاخص کا سایہ رکنے کے بعد رکنے کی جگہ سے پانچ قدم بڑھ جائے) اور دوسرا وقت پانچ قدم سے سات قدم تک ہے۔ (کنز العمال، جلد ۴ ص ۱۸۸ نمبر حدیث ۴۰۶۰) اور سات قدم تک سایہ غالباً چار بجے تک پہنچتا ہے اس لئے اس حدیث کی بنا پر ظہر کا وقت چار بجے تک ہے۔

عمل حضرت سرور عالم و ائمہ اہل بیت علیہم السلام بطریق شیعہ:

۱:۔حدیث صحیح میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات نماز جلد پڑھ لیا کرتے تھے بسا اوقات دیر کیا کرتے تھے۔مگر نماز جمعہ کا وقت تنگ ہے۔اس کا ایک ہی وقت ہے زوال کے وقت۔

۲:۔بسند صحیح ابن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں اکثر ایام نماز ظہر و عصر پڑھ کر حاضر ہوتا تو حضرتؑ پوچھا کرتے تھے کہ نماز ظہر پڑھ چکے؟ میں عرض کرتا تھا کہ عصر بھی پڑھ چکا،تو فرماتے ”میں نے ابھی ظہر کی نہیں

پڑھی'' پھر اطمینان سے بغیر عجلت کے تشریف لے جاتے اور غسل فرماتے یا صرف وضو کر کے نماز ظہر اس کے بعد عصر پڑھ لیتے تھے۔(وسائل الشیعہ جلد ا نمبر حدیث ۱۰ بقدر حاجت)

یہ حدیث دو امروں کے جائز ہونے کو بتاتی ہے۔ایک دیر کر کے پڑھنے کو، دوسرے دو نمازوں کے ایک ساتھ پڑھنے کو۔

۳:۔بسند غیر معتبر ربعی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہم لوگ نماز کبھی جلد پڑھ لیتے ہیں اور کبھی دیر کر کے ویسا نہیں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص (اول) وقت نماز سے ہٹا وہ ہلاک ہوا۔(وسائل الشیعہ بہ نشان بالا نمبر حدیث ۷)

اس حدیث کے مضمون کو چونکہ کئی معتبر حدیثیں بیان کرتی ہیں اس لئے اس کا مضمون معتبر ہے اگر چہ سند ضعیف ہے۔

۴:۔بسند صحیح فضیل بن یسار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ '' کچھ چیزوں میں وسعت ہے، اور کچھ چیزوں میں تنگی، پس پانچوں نمازیں ان چیزوں میں سے ہیں جن میں وسعت دی گئی ہے۔کبھی جلد پڑھ لی جاتی ہیں اور کبھی دیر کر کے اور نماز جمعہ میں تنگی کی گئی ہے۔کیونکہ جمعہ کے دن اس کا وقت زوال کا ہے۔

۵:۔صحیح حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر عذر کے ظہر اور عصر کو زوال کے وقت اور مغرب اور عشا کو شفق کے برطرف ہونے سے پہلے بجماعت پڑھی تاکہ امت پر تنگی نہ ہو۔ (وسائل الشیعہ نشان بالا نمبر حدیث ٦)

اس صحیح حدیث کے مقابل میں تاریخی مضامین معتبر نہیں ہیں کیونکہ اس میں معتبر و غیر معتبر خبریں سب لے لی جاتی ہیں اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کو ایک تو موقع نہیں ملا کیونکہ نماز ظہر ہی میں تیروں کی بوچھار ہونے لگی دوسرے دو نمازوں کا ایک ساتھ پڑھ لینا لازم نہیں ہے۔ یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ دو نمازیں ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

بطریق اہل سنت:

ا:۔ و ۲:۔ ابو موسیٰ اشعری صحابی اور بریدہ صحابی دو دو حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا مضمون باختلاف الفاظ ایک ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نماز کا وقت پوچھا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ دو دن میرے ساتھ نمازیں پڑھو۔ پس پہلے دن صبح صادق کے وقت نماز صبح پڑھی اور دوسرے دن قریب طلوع آفتاب کے۔ اور پہلے دن زوال کے وقت نماز ظہر پڑھی اور دوسرے دن قریب عصر کے وقت کے اور پہلے دن عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ آفتاب بلند اور سفید تھا۔ (یعنی ظہر کے وقت کے بعد ہی) اور دوسرے دن اس وقت جبکہ آفتاب سرخ ہو چکا تھا اور پہلے دن مغرب کی نماز غروب کے وقت پڑھی اور دوسرے دن شفق کے غائب ہونے کے وقت پڑھی اور دوسرے

دن ایک تہائی رات گزرنے کے وقت (کنز العمال جلد ۴ ص ۱۸۸۔ نمبر حدیث ۷ ۴۰۴۔ وتیسیر الوصول (جو جامع احادیث صحاح ستہ ہے) جلد ا صفحہ ۲۸۶ سطر ۱۷/ مذکورۂ بالا (صحیح مسلم باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر جلد ا ص ۲۵۶ چھاپہ نول کشور میں ۱۶ حدیثیں ہیں ان میں سے نو حدیثیں سفر کے متعلق ہیں جن میں حضرت نے دونمازوں کو ایک ساتھ پڑھا اور سات حدیثیں غیر سفر سے متعلق ہیں جس میں حضرت نے ظہر وعصر کو ایک ساتھ پڑھا ان میں سے دو میں صاف مذکور ہے کہ حضرت نے بغیر خوف اور بارش کے ایسا کیا تا کہ امت پر تنگی کا سبب نہ ہو) کل حدیثیں دو باتوں کو بتاتی ہیں ایک تاخیر کر کے پڑھنے کے جواز کو دوسرے دونمازوں کو ایک ساتھ پڑھنے کو۔

فتوائے علماء:

اپنے علماء کا فتویٰ میں شروع جواب میں ذکر کر چکا ہوں۔

فتوائے ابی حنیفه:

چونکہ ہندوستان کے مقلد اہل سنت حنفی مسلک ہیں۔ اس لئے صرف انہیں کے فتوے کو ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ حنفی لوگوں کے امام عیسیٰ شرح کنز الدقائق جلد ا ص ۲۳۔ چھاپہ مصر میں لکھتے ہیں کہ ظہر کا وقت زوال سے اس وقت تک ہے جب تک شاخص کا سایہ رکنے کی جگہ سے بڑھ کر اس کے دو مثل ہو جائے اور ص ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اس کے جواز کا وقت اس وقت تک ہے کہ غروب ہونے کو پانچ رکعت کا وقت رہ جائے (تا کہ ظہر کے بعد عصر کے لئے ایک رکعت کا وقت مل جائے (وقت جواز وہی

ہے جس کو میں نے وقت اجزا لکھا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں جائز ہے باطل نہ ہوگی۔ اور وقت جواز کو پہلے وقت کے مقابل میں ذکر کرنا صاف بتارہا ہے کہ پہلا وقت فضیلت کا ہے اور دوسرا وقت اجزا ہے) پھر عصر کا وقت دومثل سے شام تک بتایا ہے اور عشا کا غروب شفق سے صبح صادق تک اور ان کے امام شعرانی کتاب میزان کے جلد ا ص ۱۳۴ چھاپہ جدید مصر میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اول وقت میں نماز ظہر نافلہ (مستحب) واقع ہوتی ہے اور آخر وقت میں واجب ہوتی ہے۔ اور آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے نزدیک آخر وقت وہ ہے جبکہ غروب کو پانچ رکعت کا وقت رہ جائے۔

اب حنفی حضرات بتائیں کہ اول وقت میں بہ نیت وجوب پڑھتے ہیں یا بہ نیت استحباب اور شیعوں کے دیر کر کے پڑھنے اور ایک ساتھ پڑھنے پر طعن کیوں؟ اور کس دلیل سے کرتے ہیں؟ حالانکہ قرآن اور حدیث اور عمل حضرت سرور عالم شیعوں ہی کے موئد ہیں۔ ☆......☆......☆

اوقات نماز

قرآن کریم اور احادیث رسولؐ کی روشنی میں

سرکار حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید علی رضوی قمی طاب ثراہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی فقھنا فی الدین و وفقنا لسلوک شریعۃ خاتم المرسلین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الاولین والآخرین ابی القاسم محمد و آلہ الطیبین الطاہرین اما بعد۔

خدا کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر علالت پر ہیں۔ صحابہ کرام کا مجمع ہے کہ ایک مرتبہ زبان وحی ترجمان پیغمبرؐ کو حرکت ہوتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ ”میرے پاس قلم اور کاغذ لاؤ تا کہ ایک ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہوگے“۔

قرآن میں امت کو افتراق و گمراھی سے بچانے کی صلاحیت نھیں ھے:

بیشک قرآن اتر چکا تھا اور تکمیل دین ہو چکی تھی لیکن اس جز و مکمل دین کی تا کید و آخر تعیین باقی تھی۔ قرآن بے زبان ہے وہ مفسر معصوم کا محتاج ہے۔ امت مسلمہ کو گمراہیوں اور افتراق سے بچانے کی صلاحیت تنہا قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن غلط پڑھئے غلط ترجمہ کیجئے غلط معنی لگائیے۔ وہ آپ کو روک نہیں سکتا۔ وہ بتا نہیں سکتا کہ میرا صحیح معنی یہ ہے۔ الٹا وضو کرنے والے قرآن ہی سے دلیل پیش کرتے ہیں اور سیدھا وضو کرنے والے قرآن ہی سے ثبوت دیتے ہیں لیکن غلط وضو کرنے والوں کو قرآن ٹوکتا نہیں ہے۔ منع نہیں کرتا، یہ تو بولتے ہوئے قرآن کا وظیفہ ہے۔

جنگ جمل کے بعد جانشین خاتم المرسلین سید الوصیین حضرت امیر المومنین علیہ السلام بصرہ میں ایک مقام سے گزر رہے تھے دیکھا کہ حسن بصری غلط وضو کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ اے حسن صحیح وضو کرو۔ حسن نے کہا کہ یا امیر المومنین کل تو آپ نے ایسے لوگوں کو قتل کیا جو کلمہ پڑھتے تھے اور صحیح وضو کرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم ان کی مدد کو کیوں نہیں گئے۔ حسن بصری نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے غسل کیا اور حنوط ملا اور اسلحہ جنگ لگایا اور اس میں کوئی شک نہیں رکھتا تھا کہ عائشہ کی مخالفت کرنا کفر ہے۔ جب میں چلا تو کسی نے راہ میں مجھ کو آواز دی کہ ''کہاں جا رہا ہے وہاں جو قتل کرتا ہے وہ بھی جہنمی ہے اور جو مارا جاتا ہے وہ بھی جہنمی ہے''۔ میں ڈر کر واپس چلا آیا۔

دوسرے روز پھر میں اسی سامان سے چلا۔ راہ میں کسی نے پھر وہی آواز دی میں پھر پلٹ آیا۔ حضرت نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ جانتے ہو وہ آواز دینے والا کون تھا؟ حسن بصری نے کہا کہ نہیں۔ حضرت نے فرمایا: وہ تمہارا بھائی شیطان تھا اور اس نے سچ کہا کہ لشکر عائشہ کے قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا: ہر امت میں ایک سامری ہوتا ہے اور اس امت کے سامری تم ہو (احتجاج طبرسیؒ)

غرض یہ کہ امت کو صحیح راہ بتانا اور حقائق کا واضح کرنا اور شیطان کے قریب سے بچانا قرآن ناطق کا فریضہ ہے نہ کہ قرآن صامت کا۔ اور یہی حال احادیث رسولؐ کا ہے۔ اگر قرآن و احادیث میں افتراق و گمراہی سے بچانے کی صلاحیت ہوتی تو آج اسلام کے تہتر فرقے کیوں ہوتے اور بہت سی شریعتیں کیوں وجود میں آتیں۔ اللہ اکبر کتنا سچا تھا خدا کا رسول اور کتنی اہم تھی وہ تحریر جس کے متعلق ارشاد پیغمبرؐ تھا کہ میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ تھا کہ اگر تحریر نہ لکھوائی تو تم سب گمراہ ہو جاؤ گے۔

حضرت عمر بارہا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سن چکے تھے کہ:

انی تارك فیكم الثقلین كتاب الله و عترتی اهلبیتی ما ان تمسكتم بهما لن تضلوا بعدی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض۔ (ترمذی باب فضائل اہلبیت ص ۵۴۱، مسلم جلد ۲ چھاپہ دہلی صفحہ ۲۷۵، ابو

داؤدجلد ۲ ص ۳۰۷، ونسائی ص ۳۰ وغیرہ)

یعنی۔ ہم تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہے ہیں کتاب خدااور اپنی عترت اپنے اہلبیت، جب تک تم دونوں کو پکڑے رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ اور یہ دونوں چیزیں ہرگز ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں''۔

اور یہاں بھی وہی جملہ تھا کہ ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ باب ۹ فصل ۲ ص ۷۵ میں لکھا ہے کہ:

''حضرت رسول اللہؐ نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ لوگو! شاید میں بہت جلد دنیا سے اٹھ جاؤں گا۔ میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ تم کو کوئی عذر باقی نہ رہے آگاہ ہو کہ میں تمہارے درمیان کتاب خدا اور اپنی عترت چھوڑے جاتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا کہ یہ علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے اور یہ دونوں کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں''۔

حضرت عمر سمجھ گئے کہ آج تک جو حکم زبانی تھا آج پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو قید تحریر میں لانا چاہتے ہیں اور خود ہم لوگوں کے قلم سے عہد نامہ لکھوا کر ہم لوگوں کو ہمیشہ کے لئے قرآن اور اہل بیتؑ کا تابع ومحکوم بنانا چاہتے ہیں۔ آپ فوراً چیخ اٹھے: ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ۔ یعنی (نعوذ باللہ) یہ مرد ہذیان بول رہا

ہے۔ہم لوگوں کے لئے کتاب خدا کافی ہے۔تحریر نہیں لکھوا گئی اور اسی وقت سے مسلمانوں کی گمراہی وافتراق کا دور شروع ہوگیا۔ایک گروہ رسول کا فرمانبردار رہا اور اس نے قرآن واہلبیتؑ کا دامن مضبوط پکڑ لیا۔

حضرت عمر کے قول حسبنا کتاب اللّٰہ کے نتائج:

اور دوسرے گروہ کو جب خدا کے رسولؐ نے **قوموا عنی** فرما کر اپنے گھر سے نکال دیا۔(بخاری جلد ۴ ص ۵ چھاپہ مصر) تو اس نے سیدھا سقیفہ کا راستہ پکڑا اور بڑی توتو میں میں اور دھینگا مشتی کے بعد حضرت ابوبکر کو اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ہر صاحب عقل سمجھتا ہے اور خود صحابہ سمجھتے تھے کہ ان لوگوں نے خدا اور خدا کے رسولؐ کو غضب ناک کیا اور اسلام کی بربادی کا سبب بنے۔لہٰذا ان لوگوں کو اپنی خطا کے لئے سند جواز کی جستجو پیدا ہوئی تاکہ ہر مسلمان ان کو حق بجانب سمجھ کر ان کا ساتھ دے اور ان کو ہمدرد و وفادار اسلام سمجھے اور حضرت عمر کی بروقت ذہانت و سمجھداری کی داد دے۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عمر کے قول **ان الرجل لیھجر** کو مختلف تاویلوں کے ذریعہ سے درست کرنے کی کوشش کی گئی۔کسی نے کہا کہ حضرت رسولؐ کا فرمان کہ قلم اور کاغذ لاؤ اس کا مطلب تھا کہ نہ لاؤ جس کو حضرت عمر کے سوا کوئی سمجھ نہ سکا۔کسی نے کہا کہ حضرت رسول اللہ بھی اجتہاد میں غلطی کرتے تھے اور حضرت عمر اتنے صائب الرائے تھے کہ خداوند عالم بھی اکثر ان کی رائے کی موافقت کرتا تھا چنانچہ ان کی

رائے کے مطابق اکثر قرآن کی آیتیں نازل ہوا کرتی تھیں۔

اجماع کے جواز کے لئے حدیث: لا تجتمع امتی علیٰ ضلال تلاش کرلی گئی۔

حضرت ابوبکر کے استحقاق خلافت کے لئے ان کی فضیلت میں قرآن کی بہت سی آیتیں اور حضرت رسول اللہؐ کی بہت سی حدیثیں ڈھونڈھ لی گئیں۔

غرض یہ کہ ایک فرمان رسولؐ کے رد کرنے کے نتیجہ میں، ہر قوم پر ہزار لغزشیں اور ہر لغزش کے لئے ہزار تاویلیں اور تحریفیں وجود میں آگئیں۔

پھر حضرت ابوبکر کے تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد جب انتظامات ملکی اور مقدمات وامور مسلمین سامنے آئے اور قرآن سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں کو قیاس و رائے سے کام لینا پڑا اور اجتہاد کی بہت سی دکانیں کھل گئیں تو اس کے نتیجہ میں قہرا طریقہ اہلبیت سے جو شریعتیں بنتی چلی گئیں اور ہزار ہا انسان کچھ برضا وخوشی کچھ بزور شمشیر اس کی پیروی کرتے رہے۔ فقہا نے فتوے دیئے قضاۃ نے اسی کے مطابق فیصلے کئے۔ مصنفین نے کتابیں لکھیں، معلمین نے درس گاہوں میں تعلیم دی۔ فوج اور خزانہ کی طاقت اور حکومت کا دباؤ جو چاہتا ہے کرالیتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہی باتیں عین مذہب اسلام بن گئیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب قرۃ العینین صفحہ ۱۸۵ چھاپہ دہلی میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت کے مشہور فرقے تین ہیں حنفی، مالکی، شافعی اور تینوں مذاہب کی بنیاد فاروق (عمر) کے اجماعی مسئلے ہیں اور ان تینوں مذاہب کی بڑی کتابوں میں

مرتضیٰ (علیؑ) کی حدیثیں نہیں ہیں مگر تھوڑی۔

پھر ص ۱۸۶، میں لکھتے ہیں کہ ترتیب کتاب وسنت و اجماع و قیاس کے سب اصول شیخین کے کلام سے لئے گئے ہیں۔

اور قرآن مجید ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی با تفسیر شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کے مقدمات میں ص ۲۵ پر لکھا ہے کہ وہ اصول جن کی تعمیل باعتبار عقیدہ اور عمل ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ چار ہیں: (۱) قرآن، (۲) حدیث رسول، (۳) صحابہ تابعین و تبع تابعین یا ان کے بعد دیگر مسلمانوں کا اجماع، (۴) جب ان تین میں کوئی موجود نہ ہو اور ایک جدید مسئلہ کی ضرورت ہو تو ان تین کے طرز انداز کے مطابق کسی صحابی یا تابعی یا چاروں اماموں یعنی ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور امام احمد بن حنبل کا قیاس۔

یہ ہے مذہب اہل سنت جس میں کہیں اطاعت و پیروی اہل بیتؑ کا نام و نشان نہیں ہے۔ خدا کا رسولؐ تو یہ کہتا ہوا گزر گیا کہ میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب خدا اور اہلبیتؑ جب تک دونوں کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔

شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ باتفاق شیعہ وسنی یہ حدیث ثابت ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں کے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے یعنی ان کی پیروی کرتے رہو گے ہرگز میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب خدا اور اپنی عترت پس معلوم ہوا کہ مقدمات دینی اور احکام شریعت میں پیغمبرؐ نے ہم لوگوں کو

ان دونوں عظیم القدر چیزوں کے حوالہ کیا ہے۔ پس جو مذہب کہ امور شرعیہ میں ان دونوں کا مخالف ہو عقیدہ اور عمل میں باطل اور نا معتبر ہے اور جو شخص کہ ان دونوں چیزوں سے انکار کرے وہ دین سے خارج ہے۔(تحفہ تتمہ الباب از باب چہارم فائدہ آخری) اس حدیث کے مطابق مسلمانوں کا فریضہ تھا کہ وہ قرآن اور حدیث رسول اور اہل بیتؑ رسول کے فتوؤں پر عمل کرتے ان کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے جن سے خود حضرت ابوبکر و عمر اور صحابہ کرام جب مشکل پیش آتی تھی تو قرآن اور شریعت کا علم حاصل کرتے تھے چنانچہ حضرت عمر دنیا سے یہ کہتے ہوئے گزر گئے کہ:

"اے میرے اللہ اس دن کے لئے عمر کو زندہ نہ رکھ جس دن اس کی مشکلوں کو حل کرنے کے لئے مشکل کشا موجود نہ ہوں" (وسیلہ النجات صفحہ ۱۴۸ بحوالہ ریاض نضرہ)

اور حضرت ابن عباس جیسے حبر امت جن کی شاگردی پر فخر و ناز کرتے تھے اور جن کے تعلق حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ انا مدینة العلم و علی بابها یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں۔ پس جس کو علم حاصل کرنا ہو اس کو چاہئے کہ دروازے سے آئے۔(مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۲۶، وغیرہ)

لیکن اہل سنت نے اہلبیتؑ سے اس طرح منہ موڑا کہ ان کے معتقدات و اعمال و شریعت میں کہیں اہلبیتؑ کا نام و نشان نہیں ہے۔ علمائے اہل سنت جناب ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد بن حنبل کی تقلید و پیروی کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ لیکن اولاد رسول وارث علوم انبیاء ثانئ قرآن امام ابن امام حضرت امام محمد باقر

اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کی تقلید و پیروی نہیں کرتے کیا اسی کا نام ہے محبت و پیروی اہلبیتؑ۔

مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''جب تک عالم طریقت و شریعت کا جامع نہ ہو حقیقی طور پر رسولؐ کا نائب نہیں ہوسکتا اور طریقت کا علم اس سے حاصل ہوگا جو کسی خاندان و وسیلہ میں ہو اور کامل ہو۔

اور لکھتے ہیں کہ:

''جس خاندان میں انسان مرید ہو مثلاً چشتیہ میں طالب را باید الخ۔ یعنی طالب کو چاہئے کہ باوضو دوزانو بیٹھ کر فاتحہ کا ثواب ان بزرگوں کو بخش کر اور ان کی برکت کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کرے کہ مجھ پر اپنی مصرفت و محبت کے دروازے کھول دے پھر ذکر دوضربی شروع کردے۔'' (مقدمات تفسیر شاہ رفیع الدین صاحب ص ۲۵)

اور ص ۵۱ پر لکھا ہے کہ:

''خاص اہل باطن کو بزرگوں کے مزارات سے روحانی نفع حاصل ہوتا ہے مگر اس کا ذکر عوام سے نہ کریں''

اور صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے:

''یا علی یا حسین یا مشکل کہنا، کسی بزرگ کے نام جانور ذبح کرنا۔ رام لیلا کے جواب میں تعزیہ خلاف شرع ہے''۔

اللہ اللہ مولانا صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ باوضو دوزانو بیٹھ کر فاتحہ کا ثواب محمد و

آل محمد علیہم السلام کی خدمت میں ہدیہ کرواوران کی برکت کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کرو کہ مجھ پر اپنی معرفت ومحبت کا دروازہ کھول دے۔ یہ نہیں لکھا کہ مولائے کائنات حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ اور حضرت امام حسینؑ کے مزارات پر جا کر روحانی نفع حاصل کرو بلکہ یاعلی یاحسین اور یامشکل کشا کہنے کو خلاف شرع لکھا ہے وہ اہل بیتؑ جن کے واسطے سے انبیا نے دعائیں کیں، وہ اہل بیتؑ جن کے واسطے سے ملائکہ نے برکتیں حاصل کیں۔ وہ اہلبیتؑ جن کے واسطے سے دعا کرنے کی قرآن اوراحادیث رسول میں تاکید کی گئی ہے۔ان کے ذکر کو مولانا نے خلاف شرع قرار دیا اورعزاداری حضرت سید الشہداءؑ کو رام لیلا سے تشبیہ دی ہے۔لیکن خاندان چشتیہ کی قبروں کی پرستش جس کا جواز نہ قرآن سے ثابت ہے۔نہ احادیث رسول سے اس کو روحانی ترقیوں کا زینہ لکھا ہے۔

عزیزم سید تہذہب الحسن عرف للن میر صاحب نے مقدمات تفسیر قرآن میں مولانا سے ان گمراہ کن مضامین پر برجستہ کہا کہ درست ہے ان لوگوں کو مزارات کے عرس اور طبلہ اور قوالی اور حال قال میں جو روحانی سکون اور نفع حاصل ہوتا ہے وہ ذکر محمدؐ وآل محمد علیہم السلام اور عزاداری امام مظلومؑ میں نہیں ہوتا۔

غرض یہ کہ مولانا کی ان تحریروں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل سنت پر فرض ہے کہ عقیدہ اور عمل میں قرآن ، حدیث ،صحابہ وتابعین وتبع تابعین پر ایمان لائیں اور تقلید میں امام ابوحنیفہ وشافعی و مالک واحمد بن حنبل کا دامن پکڑیں اور روحانی برکتیں حاصل کرنے اور دعاؤں کی مقبولیت کے لئے خاندان چشتیہ کا توسل اختیار کریں اور ان کی

قبروں پر جا کر نور حاصل کریں لیکن یا علیؑ، یا حسینؑ، یا مشکل کشاء، نہ کہیں، عزاداری نہ کریں، یعنی اہل بیتؑ سے کوئی واسطہ نہ رکھیں ورنہ رافضی ہو جائیں گے۔

اھلبیت رسولؐ کا وسیلہ اختیار کرو

لیکن خداوند عالم پارہ ۶ رکوع ۱۰ سورہ مائدہ، آیت ۳۵ میں ارشاد فرماتا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ وَجَاهِدُوا فِی سَبِیلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔

یعنی: اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ حاصل کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم لوگ فلاح پاؤ۔

اور پارہ ۴ سورہ آل عمران آیت ۱۰۳ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِیعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔

یعنی تم لوگ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور پراگندہ نہ ہو۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم لوگ خدا کی وہ مضبوط رسی ہیں جس کے پکڑنے کا اس نے اس آیت میں حکم دیا ہے"۔

اس حدیث کو علامہ ابن حجر نے صواعق محرقہ باب ۱۱ صفحہ ۹۰ میں اور ملا مبین صاحب فرنگی محلی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجات ص ۴۵ میں لکھا ہے:

''پس جبکہ خداوند عالم نے سارے مسلمانوں کو محمد وآل محمد کے دامن سے تمسک کرنے کا حکم دیا اور ان سے جدا ہونے کو منع کیا تو معلوم ہوا کہ یہی وہ وسیلہ ہیں جن کے ذریعہ سے ہم خدا تک پہونچ سکتے ہیں''۔

حضرت جابر ابن عبداللہ انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہؐ فرمایا کرتے تھے کہ:

''لوگو! اہلبیتؑ کی محبت کو اللہ کی طرف اپنا وسیلہ بناؤ اور ہم لوگوں کی شفاعت طلب کرو کیونکہ ہمارے ہی سبب سے تمہاری عزت ہے اور ہمارے ہی سبب سے تم لوگ زندہ ہو اور ہم ہی لوگوں کے سبب سے تم لوگ روزی پاتے ہو۔ پس ہم میں سے جب کوئی غائب ہو تو ہمارے دوست ہمارے امین ہیں وہ سب کل کے روز جنت میں ہوں گے۔

اور امام شافعی جن کی تقلید و پیروی کو اہل سنت ذریعہ نجات سمجھتے ہیں کہتے ہیں کہ:

آل النبی ذریعتی　　　　وهم الیه وسیلتی

ارجو بهم اعطی غدا　　　　بید الیمین صحیفتی

یعنی: آل محمدؐ خدا کی طرف ہمارا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ ان ہی کے وسیلہ سے ہم امید کرتے ہیں کہ روز قیامت ہمارا نامہ عمل ہمارے داہنے ہاتھ میں دیا جائے۔

(صواعق محرقہ باب ۱۱ فصل ۱ ص ۱۰۸)

اور ملا مبین صاحب فرنگی محلی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجات کے آخری صفحات

پر یہ عبارت لکھ کر اپنی کتاب ختم کی ہے:

زمشرق تا بمغرب گر امام است
علی وآل او مارا تمام است

(یعنی) مشرق سے مغرب تک اگر کوئی امام ہے تو بس علیؑ اور ان کی اولاد میرے لئے کافی ۔ اے میرے اللہ میرا درود وسلام اپنے نبیؐ اور ان کی آل اطہار کو پہونچا، اور میرے دل میں ان کی محبت کو میرے لئے قیامت کے روز آتش جہنم سے نجات کا ذریعہ بنا۔تو جانتا ہے کہ ان کی ولا میرے دل میں پوشیدہ ہے اور میرا قلب ان کی محبت سے لبریز ہے اور یہی تیری بارگاہ میں میرا وسیلہ ہے اور آتش جہنم سے میری نجات کا حیلہ ہے اور محبت عترت طاہرہ اور حجت ساطعہ کے ذریعہ سے میں اپنے مقاصد دین ودنیا میں حصول درجات عالیہ اور مقامات بلند تک پہنچنے میں کامیابی کی امید رکھتا ہوں اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔آمین آمین

الٰہی بحق نبی فاطمہؑ — کہ برقول ایمان کنی خاتمہ
اگر دعوتم رو کنی در قبول — من دوست ودامانِ آل رسولؐ

(وسیلۃ النجات صفحہ ۴۳۵)

غرض یہ کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے تو امت کے لئے آل رسولؐ کو نجات دنیا و آخرت اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا ہے اور مرتبہ شناس اہلبیتؑ بڑے بڑے صحابہ اور علماء وزہاد اہل سنت نے بھی اہل بیتؑ ہی کو اپنی نجات کا وسیلہ بنایا لیکن آج کل

کے مسلمان، مولوی ہوں یا عوام ہمہ تن آل رسولؐ کا نام ونشان مٹانے ہی کی کوشش میں لگے ہیں اور صراط مستقیم کو چھوڑ کر داہنے اور بائیں بھٹک رہے ہیں۔

آل رسولؐ سے اسی بغض ونفرت کا تقاضا یہ ہوا کہ مسلمانوں نے طریقہ اہلبیتؑ سے بالکل جدا ایک راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی تا کہ اہلبیتؑ کی پیروی کرنے والوں سے کسی امر میں مشابہت باقی نہ رہ جائے۔

علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے:

بغداد کی جامع مسجد میں نمازوں میں بلند آواز سے بسم اللہ کہنا اس لئے ترک کردیا گیا کہ علویین مصر بلند آواز سے بسم اللہ کہا کرتے تھے''۔ (کامل ابن اثیر جلد ۱۰ ص ۱۱۳، ذکر عدہ حوادث)

علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

'' سلام مسلمانوں کا تحفہ ہے اور السلام علیہ اور علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔لیکن چونکہ شیعوں نے حضرت علی علیہ السلام کہنے کی عادت کرلی ہے اس لئے اس طرح کہنا اچھا نہیں ہے۔ (شرح فقہ اکبر چھاپہ مصر ص ۱۵۲،)

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''چونکہ شیعوں نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی عادت کرلی ہے۔اس لئے ہاتھ میں پہننے سے پرہیز واجب ہے''۔

(جامعہ ترمذی حاشیہ و۲ چھاپہ اصح المطابع ص ۲۶۶)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

علماء کہتے ہیں کہ صرف اہل بیت رسولؐ پر درود بھیجنا دو وجہوں سے مکروہ ہے، ایک اس وجہ سے کہ ہم لوگ صرف آنحضرتؐ پر درود بھیجتے ہیں دوسرے یہ کہ رافضیوں کی عادت ہے اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (تفسیر کشاف آخر سورہ احزاب)

علامہ برجندی نے لکھا ہے:

''علماء نے کہا ہے کہ چونکہ روافض کے مذہب میں ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ہے اس لئے ان کی مخالفت کی غرض سے ہم لوگ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں'' (شرح وقایہ برجندی جلد ا ص ۱۰۳ کتاب الصلوٰۃ چھاپہ نول کشور)

غرض اسی قسم کی مخالفتیں روز سقیفہ سے شروع ہوئیں۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ حضرت رسول اللہؐ کو دنیا سے گزرے ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ زمانہ رسول کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہی۔

ملا مبین صاحب فرنگی محلی لکھتے ہیں:

''حضرت رسول اللہؐ کے بعد نماز میں جو ستون دین ہے، تغیر و تبدل پیدا ہو گیا ہے اور لوگوں نے اس کو بھی ضائع کر دیا اس کے شرائط و حقوق کے ساتھ بجا نہیں لاتے تھے۔ ہاں حضرت علی مرتضیٰؑ بمقتضائے: **ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**، شرائط اور تعدیل ارکان و حفظ اوقات اور سارے لوازم کے ساتھ جیسی چاہئے نماز بجالاتے تھے اور صحابہ کو رسول اللہؐ کی نماز یاد دلاتے تھے''۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے نماز کے شرائط وارکان اوراوقات میں بھی تغیر وتبدل کر دیا تھا۔

بخاری باب تضیع الصلوٰۃ میں ہے کہ:

''موسیٰ ابن اسماعیل نے کہا کہ ان سے مہدی نے کہا ان سے غیلان نے کہا کہ میں نے انس ابن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ آج ہم رسول اللہؐ کے زمانے کی کوئی بات نہیں دیکھتے۔تو ان سے کہا گیا کہ کیوں نماز تو ہے۔تو انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے نماز میں تغیر وتبدل کر کے اس کو ضائع نہیں کر دیا''۔

''امام بخاری نے زہری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

''میں انس ابن مالک کے پاس شام میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں؟۔انہوں نے کہا کہ رسول خداؐ سے جو چیزیں ہم نے پائی تھیں ان میں سوائے نماز کے اور کوئی چیز ہم نہیں پاتے اور وہ نماز بھی ضائع کر دی گئی''۔

(بخاری جلد ا ص ۷۰ چھاپہ مصر)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے رسول اللہؐ کی ساری شریعت، یہاں تک کہ نماز اور اس کے ارکان واوقات کو بھی بدل ڈالا تھا اور وہی نماز آج تک ان کی پیروی کرنے والوں میں رائج ہے تو یہ نماز رسول اللہؐ کی نماز کیونکر کہی جا سکتی ہے۔

بخاری میں عمران بن حسین سے منقول ہے کہ انہوں نے بصرہ میں حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہا:

اس شخص نے ہم کو وہ نماز یاد دلادی جو ہم حضرت رسول اللہؐ کے پیچھے پڑھتے تھے"

اسی مضمون کی ایک روایت مطرف ابن عبداللہ سے منقول ہے (دیکھئے بخاری جلد ا ص ۹۸ چھاپہ مصر) واضح رہے کہ عمران صحابی رسولؐ تھے اور یہ واقعہ جو انہوں نے بیان کیا، چوتھی خلافت کے زمانے کا ہے کیونکہ امیر المومنینؑ اپنی خلافت ظاہری کے زمانے میں بصرہ تشریف لے گئے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کے بعد ویسی نماز عمران نے حضرت علیؑ کے علاوہ اور کسی خلیفہ کے پیچھے نہیں پڑھی ورنہ ان کو حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھ کر حیرت نہ ہوتی جو اس امر کی دلیل ہے کہ بعد رسول اللہ صحابہ نے نماز کو ضائع کر دیا تھا اور صرف حضرت علیؑ ہی حضرت رسول اللہؐ والی نماز پڑھتے تھے اور وہی نماز حضرتؐ کے بعد حضرت کی اولاد طاہرین میں جاری رہی اور آج ان کے شیعوں اور ان کی پیروی کرنے والوں میں جاری ہے۔

پسند وناپسند:

انسان جس ماحول میں زندگی گزارتا ہے اس کے رسم ورواج، عقائد وعادات، اوہام وخیالات سے مانوس ہوجاتا ہے اور اس کو وہی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں چاہے وہ کتنی ہی بری ہوں اور ان کے علاوہ ہر بات بری اور غلط معلوم ہوتی ہے چاہے وہ کتنی ہی بہتر ہو، بُت پرست اپنی بت پرستی ہی سے راضی اور خوش ہیں اور خدا پرستوں کا طریقہ ان کو پھوٹی آنکھوں نہیں بھاتا لیکن اس کی وجہ سے حق باطل اور باطل حق نہیں

ہوسکتا حق اور باطل کا دار و مدار انسان کی پسند یا ناپسندیدگی پر نہیں ہے بلکہ حکم خدا پر ہے۔ٹڈی کسی کو ناپسند ہو، کراہت معلوم ہوتی ہو لیکن وہ حلال ہے اور حلال رہے گی۔ پڑن مچھلی کسی کو پسند ہو، بڑے شوق سے کھاتا ہو لیکن وہ حرام ہے اور حرام رہے گی۔تقیہ ،متعہ، سجدہ گاہ پر سجدہ، ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا، سیدھا وضو، پاؤں کا مسح کسی کو بھلا نہ لگتا ہو لیکن یہ چیزیں حق ہیں اور حق رہیں گی۔جن کے ثبوت میں اتنی کتابیں لکھی جاچکی ہیں کہ اگر صرف ان کتابوں کے نام لکھے جائیں تو دفتر تیار ہو جائے۔لیکن علمائے اہلسنت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ عوام اہل سنت کو شیعوں کی کتابیں پڑھنے سے روکتے ہیں اور خود شیعوں پر وہی پرانے اعتراضات دہرایا کرتے ہیں اور عوام کو سمجھاتے ہیں کہ یہ ایسے لاجواب اعتراضات ہیں جن کا جواب آج تک شیعوں سے نہ ہوسکا۔

جمع بین الصلوٰتین

ان اعتراضات میں سے ایک اعتراض ان کا یہ ہے کہ شیعہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھتے ہیں۔ اس اعتراض کی بنا بھی اسی ناپسندیدگی پر ہے چونکہ یہ مسئلہ شیعوں کے مذہب کا ہے اس لئے اہل سنت کو ناپسند ہے۔ورنہ اگر قرآن اور احادیث وسیرت رسولؐ کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں بھی شیعوں کا مذہب حق ہے۔

دلیل از کتاب خدا:

خداوند عالم پارہ ۱۲ سورہ ہود رکوع ۱۰ میں ارشاد فرماتا ہے: وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۔(اے رسولؐ) دن کے دونوں کناروں میں اور شب کے ایک کنارہ میں نمازیں پڑھا کرو۔ یقیناً نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

مولانا محمد نعیم الدین صاحب اپنی تفسیر خزائن الفرقان میں تحریر فرماتے ہیں:

''دن کے دو کناروں سے صبح وشام مراد ہیں۔ زوال کے قبل کا وقت صبح میں اور بعد کا شام میں داخل ہے۔ صبح کی نماز فجر اور شام کی ظہر اور عصر میں''

(دیکھئے قرآن مجید با ترجمہ محمد احمد رضا شاہ صاحب بریلوی حاشیہ ٦ پارہ ۱۲، سورہ ہود رکوع ۱۰ باہتمام ادارہ الفلاح)

اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

''ابن عباسؓ نے کہا کہ مراد دو طرف روز سے نماز صبح و مغرب ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ صبح اول روز میں ہے اور ظہر اور عصر آخر روز میں اور مجاہد وغیرہ نے کہا ہے کہ زلفاً من اللیل سے مراد مغرب اور عشاء ہے''

(دیکھئے قرآن مجید با ترجمہ و تفسیر شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی پارہ ۱۲، سورہ ہود، شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

ان بیانات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں دن کے دو کناروں سے صبح کا وقت

اور شام کا وقت مقصود ہے۔ اگر شام سے نماز عصر کا وقت مراد لیا جائے پس صبح کے وقت میں نماز صبح ہے اور شام کے وقت میں ظہر اور عصر کی دو نمازیں داخل ہیں اور زلفاً من اللیل میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں داخل ہیں۔

اس آیت میں خداوند عالم نے جس طرح نماز صبح کے وقت کو ظہر اور عصر کے وقت سے جدا بیان فرمایا ہے اور ظہر اور عصر کے وقت کو مغرب اور عشاء کے وقت سے جدا بیان کیا ہے اس کے لئے کیا مشکل بات تھی کہ نماز عصر کے وقت کو ظہر کے وقت سے اور نماز عشاء کے وقت کو مغرب کے وقت سے جدا کر کے بیان کر دیتا تا کہ صاف صاف پانچ نمازوں کے پانچ اوقات معین ہو جاتے جیسا کہ اہل سنت کا مسلک ہے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ پانچ نمازوں کے صرف تین اوقات بیان فرمائے۔ نماز صبح کے لئے صبح کا وقت، ظہر اور عصر کے لئے شام کا وقت اور نماز مغرب اور عشاء کے لئے رات کا وقت جو اس امر کی دلیل ہے کہ زوال آفتاب ہوتے ہی نماز ظہر اور عصر دونوں کا وقت داخل ہو جاتا ہے اور شام تک رہتا ہے اس ترتیب کے ساتھ کہ ظہر پہلے ہے اور عصر اس کے بعد۔ اسی طرح غروب آفتاب کے بعد مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کا وقت داخل ہو جاتا ہے۔ مغرب پہلے اور عشاء اس کے بعد۔

عالم جلیل اہل سنت صاحب غایۃ الاغرار نے اپنی کتاب کے باب جواز الجمع فی الحضر بلا خوف ولا سفر میں اس آیت کو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی دلیل قرار دی ہے اور لکھا ہے۔

قول پروردگار وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ میں دن کا پہلا کنارہ نماز صبح کا وقت ہے جو زوال سے لے کر مغرب تک ہے۔ یہ عصرین یعنی ظہر اور عصر کا وقت ہے اور زلفا من اللیل عشائین یعنی مغرب اور عشاء کا وقت ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اس آیت کے معنی میں عبدالرزاق نے ابن جریح سے اور اس نے عطا سے روایت کی ہے کہ راوی نے کہا کہ نماز ظہر اور عصر رات تک قضا نہیں ہوتی اور مغرب اور عشاء کی نمازیں صبح تک قضا نہیں ہوتیں اور صبح کی نماز طلوع آفتاب تک قضا نہیں ہوتی ابن جریح اسی کا قائل ہے اور عبدالرزاق نے ابن جریح سے اور اس نے طاؤس سے بھی یہی روایت نقل کی ہے اور ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھنے کا جواز اجماعی ہے خواہ حج میں ہو یا سفر میں یا اس سے عام حالات میں جیسا کہ مفصل بیان کیا جائے گا اور سب علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جمع کی ہوئی نمازیں ادا ہیں''۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علمائے اہل سنت نے بھی اس آیت کو جمع بین الصلوٰتین کے جواز کی دلیل قرار دیا ہے اور یہ ایک ایسی واضح دلیل ہے جس میں کسی سمجھدار انسان کے لئے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

آیت ۲:۔

خداوند عالم پارہ ۲۶ سورہ ق رکوع ۱۷ آیت ۳۹ و ۴۰ میں ارشاد فرماتا ہے:

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ

اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَأَدْبَارَ السُّجُودِ ﴿۴۰﴾ ۔ (یعنی) آفتاب کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اپنے پروردگار کے حمد کی تسبیح کیا کرو اور رات کے بعض حصہ میں اور نماز کے بعد بھی اس کی تسبیح کرو۔

یہ آیت بھی پہلی آیت کے ہم معنی ہے اس میں بھی خداوند عالم نے نماز پنجگانہ کے تین ہی اوقات بیان فرمائے ہیں۔ قبل طلوع الشّمس نماز صبح کا وقت ہے اور قبل غروب ظہر اور عصر کا وقت ہے اور من اللیل مغرب اور عشاء کا اور ادبار السجود کے معنی یہ ہیں کہ نماز تمام کرنے کے بعد اس کی تسبیح کیا کرو۔

آیت ۵:۔

پارہ ۱۵ بنی اسرائیل رکوع ۹ آیت ۷۸ میں ارشاد فرماتے ہے:

وَ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۷۸﴾ ۔

(یعنی برپا کر نماز کو زوال آفتاب سے تاریکی شب تک اور صبح کی نماز کو کیونکہ اس وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

خداوند عالم نے اس آیت میں بھی نماز پنجگانہ کے تین ہی اوقات بیان فرمائے ہیں۔ دلوک شمس یعنی زوال آفتاب غسق اللیل یعنی تاریکی شب اور قرآن فجر صبح کی نماز۔ ارشاد ہے کہ زوال آفتاب سے شب تاریک ہونے تک نمازیں پڑھا کرو اس میں ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء سب داخل ہیں اور ظاہر ہے کہ ان اوقات میں ان

نمازوں کے بجالانے سے ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ زوال سے نصف شب تک مسلسل نماز پڑھتے چلے جاؤ کیونکہ ان چار نمازوں کے ادا کرنے کے لئے ان اوقات میں سے تھوڑی دیر کافی ہے۔ لہذا یقیناً اس سے ان نمازوں کے وقت کی وسعت کا بیان کرنا مقصود ہے۔ یعنی خداوند عالم یہ بیان فرمانا چاہتا ہے کہ زوال سے غروب تک ظہر اور عصر کا وقت ہے اور غروب سے کچھ رات گئے تک مغرب اور عشاء کا وقت ہے۔ یعنی ان اوقات کا ہر حصہ ان نمازوں کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتا ہے اور نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ اس زمانہ محدود کے جس حصہ میں چاہے نماز ادا کرے۔

مولانا شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:

'مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد نماز فرض ہے اور دلوک کے معنی دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد زوال ہے آفتاب کا آسمان کے وسط سے۔ عمر اور ابن عمر اور ابو ہریرہ اور ابن عباسؓ اور جابرؓ اور حسن اور شعبی اور عطا اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک اور حضرت امام محمد باقرؑ اور اکثر تابعین اسی کے قائل ہیں اور ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ دلوک بمعنی غروب ہے بعض صحابہ اور نخعی اور مقاتل اور سدی اس کے قائل ہیں۔

''پہلے معنی پر آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہے اور قول ثانی پر نماز ظہر اور عصر خارج ہوتی ہیں''۔

اور غسق سے مراد تاریکی شب ہے تو اس میں نماز مغرب اور عشاء داخل ہیں''

(حاشیہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب پارہ ۱۵ ارکوع ۹ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی)

اس تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ۱:۔ یہ کہ اکثر صحابہ اور تابعین اور مفسرین کے قول کے مطابق یہ آیت پانچوں نمازوں کو شامل ہے۔ ۲:۔ یہ کہ دلوک سے زوال آفتاب مقصود ہے اور اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں اور غسق سے تاریکی شب مقصود ہے۔ (اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ غسق اللیل سے نصف شب مقصود ہے) اور اس میں مغرب اور عشا کی نمازیں داخل ہیں۔ یعنی خداوند عالم نے ہر دو نماز کے لئے ایک وقت بیان فرمایا ہے اور نہ ظہر اور عصر کے وقت میں تفریق کی ہے اور نہ مغرب اور عشاء کے وقت میں۔

عالم اہل سنت صاحب غایۃ الاعذار لکھتے ہیں:

''دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کی ایک دلیل قول پروردگار **اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الیٰ غسق اللیل و قران الفجر** بھی ہے۔ پس دلوک شمس زوال آفتاب ہے اور وقت عصرین یعنی ظہر اور عصر کا وقت ہے اور غسق اللیل تاریکی شب ہے اور وقت عشائین یعنی مغرب اور عشاء کا وقت ہے اور قران فجر نماز صبح ہے۔

(رسالہ غایۃ الاعذار فی جواز الجمع فی الحضر بلا خوف ولا سفر)

آیت ۴۔

پارہ ۱۶ سورہ طہ رکوع ۱۷ میں ارشاد فرماتا ہے: **وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ۖ وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ**

النَّهَارِ ۔(یعنی)تسبیح کروتم اپنے پروردگار کی قبل نکلنے آفتاب کے اور قبل غروب کے اور رات کے کچھ حصہ میں اور دن کے کناروں میں تا کہ تو راضی ہو۔

مولانا شاہ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

قبل طلوع الشمس اس سے نماز فجر مراد ہے۔ حاشیہ ۵۔ **وقبل غروبہا** ۔اس سے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں جو دن کے نصف آخر میں آفتاب کے زوال اور غروب کے درمیان واقع ہیں۔

حاشیہ۶۔

من اناء اللیل ۔ یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھو۔ حاشیہ ۷۔**و اطراف النہار**۔ فجر و مغرب کی نمازیں ان کی تاکید تکرار فرمائی ہے۔ اور بعض مفسرین قبل غروب سے نماز عصر اور اطراف النہار سے ظہر مراد لیتے ہیں۔ ان کی توجیہ یہ ہے کہ نماز ظہر زوال کے بعد ہے اس وقت دن کے نصف اول اور نصف آخر کے اطراف ملتے ہیں نصف اول کی انتہا ہے اور نصف آخری کی ابتداء ہے (مدارک و خازن) دیکھیئے۔

(قرآن مجید با ترجمہ شاہ محمد احمد رضا خاں صاحب وتفسیر شاہ محمد نعیم الدین صاحب پارہ ۱۶ سورہ طہ)

بعض مفسرین نے جو اطراف النہار کی توجیہ کی ہے کہ اس سے نماز ظہر مقصود ہے اس لئے کہ نماز ظہر زوال کے بعد ہے اور اس وقت دن کے نصف اول اور نصف

آخر کے کنارے ملتے ہیں۔ نصف اول کی انتہا اور نصف آخر کی ابتداء ہے یہ درست نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اطراف کی لفظ آئی ہے اور یہ جمع ہے جس کے معنی ہیں بہت سے کنارے۔ اور وقت زوال کو اگر دن کے نصف اول کی انتہا اور نصف آخر کی ابتداء فرض کریں تو اس فرض کر لینے سے اس وقت میں تعدد نہیں پیدا ہوسکتا ہے بلکہ کنارہ ایک ہی رہے گا جس میں اعتباری دو جہتیں پیدا ہو جائیں گی۔

اور اگر دو کنارے فرض کریں قبل زوال کو دن کے نصف اول کا آخری کنارہ اور بعد زوال کو دن کے نصف آخر کا پہلا کنارہ تو لازم آئے گا کہ ظہر کی نماز دو مرتبہ پڑھی جائے کیونکہ ارشاد پروردگار ہے کہ دن کے کل کناروں میں ذکر خدا کرو حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ نماز ظہر صرف ایک ہی کنارہ میں پڑھی جاتی ہے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ اطراف النہار سے یا تو صبح اور مغرب کی نمازیں مقصود ہیں جو صرف تاکید کی غرض سے دوبارہ ذکر کی گئی ہیں یا اس سے عام تسبیح مقصود ہے یعنی دن کے کنارے میں تسبیح و ذکر خدا کرو۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں بھی پروردگار عالم نے پانچ نمازوں کے تین ہی اوقات بیان فرمائے قبل طلوع شمس صبح کی نماز ہے۔ قبل غروب ظہر اور عصر کی نماز اور اناء اللیل میں مغرب و عشاء کی نمازیں۔ اور اطراف النہار سے یا تو صبح اور مغرب کی نمازیں مقصود ہیں جن کی تاکید تکراراً کی گئی ہے۔ یا عام تسبیح و ذکر خدا مقصود ہے۔

آیت ۵۔

پارہ ۲۱ سورہ روم رکوع ۵ آیت ۱۷ و ۱۸ میں ارشاد فرماتا ہے:

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿۱۸﴾

(یعنی) جس وقت تم لوگوں کی شام ہو اور جس وقت تمہاری صبح ہو خدا کی پاکیزگی ظاہر کرو اور سارے آسمان و زمین میں اور تیسرے پہر کو اور جس وقت تم لوگوں کی دوپہر ہو وہی قابل تعریف ہے''۔

اس آیت میں اگرچہ خدا کی پاکیزگی ظاہر کرنے سے عام تسبیح مراد ہے جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے لیکن بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس میں نماز پنجگانہ کے اوقات مذکور ہیں۔ حین تمسون سے مغرب و عشاء کا وقت مراد ہے۔ اور حین تصبحون۔نماز صبح کا وقت ہے اور عشیا سے عصر کا اور تظھرون سے ظہر کا وقت مراد ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر خداوند عالم نے اس آیت میں نماز ظہر اور نماز عصر کے اوقات کو جدا کر کے ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ پہلی چار آیتوں میں مشترک بیان فرمایا ہے جو اس امر کا ثبوت ہے کہ ان نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا بھی جائز ہے اور تفریق کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔

اوقات نماز سے متعلق قرآن شریف میں یہی پانچ آیتیں ہیں جو سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ زوال سے لے کر غروب تک نماز ظہر اور عصر کا وقت مشترک ہے اور غروب سے شب کے تاریک ہونے تک یعنی نصف شب تک مغرب اور عشاء کا وقت مشترک ہے۔ ہاں چونکہ ظہر کی نماز مقدم ہے اس لئے زوال کے بعد اتنی دیر تک

جتنی دیر چار رکعت نماز پڑھی جاسکے مخصوص ظہر کا وقت ہے جس میں عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں اسی طرح جب آفتاب ڈوبنے کو اتنی دیر باقی رہے جس میں صرف چار ہی رکعت نماز پڑھی جاسکے مخصوص عصر کا وقت ہے جس میں ظہر نہیں پڑھ سکتے ورنہ دونوں نمازیں قضا ہو جائیں گی۔ ان کے علاوہ جو اوقات ہیں ان میں ظہر اور عصر دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ ملا کر پڑھیں یا تفریق کے ساتھ۔ اور یہی حکم مغرب اور عشاء کا بھی ہے۔

البتہ ہر نماز کو اس کی فضیلت کے وقت میں بجالانا افضل ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے جس کی تفصیل آخر کتاب میں آئے گی۔

احادیث بطریق اہل سنت:

قرآن مجید کی آیات سے جو اوقات نماز بیان کئے گئے ہیں ان کی تائید فریقین یعنی شیعہ اور سنی دونوں کی صحیح السند حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث نمبر ۱ :۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب وقت المغرب میں آدم سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے عمر بن دینار سے انہوں نے جابر بن زید سے انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے سات رکعتیں (مغرب وعشا) اور آٹھ رکعتیں (ظہر وعصر) جمع کر کے ملا کر پڑھیں۔

حدیث نمبر ۲:۔

باب تاخیر الصلوٰۃ عن قتہا میں امام بخاری نے ابونعمان سے، انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے عمر بن دینار سے، انہوں نے جابر بن زید سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے مدینہ میں (یعنی بغیر سفر کے) سات رکعتیں اور آٹھ رکعتیں یعنی مغرب وعشاء اور ظہر وعصر ملا کر پڑھا کریں۔

واضح رہے کہ راوی نے ان حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو نمازیں ملا کر پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے بغیر کسی وجہ کے نمازیں ملا کر پڑھیں ورنہ راوی ضرور اس عذر کو بیان کرتا۔ یہ حدیثیں اگر کسی دوسری کتاب کی ہوتیں، تو علمائے اہل سنت یہ کہہ دیتے کہ وہ تو حاطب لیس تھا یا یہ کہ کسی رافضی کی لکھی ہے۔ لیکن بخاری کو کیا کریں آخر تاویل سے کام لیا بخاری کے محشی سندی صاحب نے یہ تاویل کی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے پہلی نماز آخر وقت میں پڑھی لہٰذا اس نماز کے تمام ہونے پر دوسری نماز کا وقت آ گیا تو دوسری نماز اول وقت میں پڑھی لیکن حدیثوں سے اس تاویل کی کوئی تائید نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ اس کو ضرور بیان کرتے تاکہ شبہہ دور ہو جائے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سندی صاحب کی ذہانت ہے۔ کسی دوسرے نے یہ تاویل کی ہے کہ شاید بارش کی وجہ سے حضرت نے ایسا کیا ہو لیکن روایت میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مسلم کی حدیثیں اس کی تکذیب کر رہی ہیں۔

حدیث نمبر ۳:۔

مسلم نے باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر والحضر میں باسناد خود ابوزبیر سے انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے مدینہ میں بغیر کسی خوف یا بغیر سفر کے ہم لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ملا کر پڑھائیں۔ ابوزبیر نے کہا کہ ہم نے سعید سے پوچھا کہ حضرتؐ نے ایسا کیوں کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے ابن عباسؓ سے پوچھا تھا تو انہوں نے کہا کہ حضرتؐ کا مقصود تھا کہ امت کے لئے تنگی ودشواری نہ ہو۔

حدیث نمبر ۴:۔

مسلم نے باسناد خود اعمش سے، انہوں نے حبیب ابن ثابت سے انہوں نے سعید بن جبیر سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے مدینہ میں بغیر کسی خوف اور بغیر بارش کے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں اور حدیث وکیع میں ہے کہ ہم نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ حضرتؐ نے ایسا کیوں کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرتؐ کا مقصد یہ تھا کہ امت کے لئے حرج نہ واقع ہو۔

حدیث نمبر ۵:۔

مسلم نے عبداللہ بن شفیق عقیلی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ الصلوٰۃ (یعنی نماز کا وقت آ گیا) تو وہ خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا کہ الصلوٰۃ، پھر وہ خاموش رہے۔ پھر کہا کہ تجھ پروائے ہو تو ہم کو نماز کی تعلیم دیتا ہے۔ ہم حضرت

رسول اللہؐ کے زمانے میں دونمازیں ملاکر پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۶:۔

طبرانی نے مرفوعاً حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ اس لئے ایسا کیا ہے کہ میری امت کو حرج اور تنگی نہ ہو۔

حدیث نمبر ۷:

رسالہ غایۃ الاعذار میں ہے کہ عبدالرزاق نے ابن جریج سے، اس نے عمر بن شبیب سے، اس نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ حضرت رسول اللہؐ نے بغیر سفر کے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں کسی نے ابن عمر سے پوچھا کہ آنحضرتؐ نے ایسا کیوں کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس لئے کہ اگر کوئی ملا کر پڑھنا چاہے تو اس کے لئے حرج اور تنگی نہ ہو۔

باختصار یہ سات حدیثیں متعدد سندوں سے میں نے نقل کر دیں جن سے علماء اہل سنت کی سب تاویلیں باطل ہوگئیں اور واضح ہو گیا کہ حضرتؐ نے بغیر کسی عذر کے ایک مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ دونمازیں جمع کر کے پڑھائیں اور خود فرمایا کہ میں نے اس لئے ایسا کیا کہ میری امت کے لئے آسانی ہو اور نماز کی ادائیگی میں زحمت نہ ہو۔

یہ حدیثیں علاوہ اس کے کہ صحیح السند ہیں بالکل مطابق قرآن ہیں جو ان کے صحیح ہونے کی ایک دوسری بہت بڑی دلیل ہے اور وہ حدیثیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

حضرت رسول اللہؐ یا ائمہ اہل بیت علیہم السلام یا صحابہ کرام نے تفریق کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور ان حدیثوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ ان سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ دو نمازوں کو تفریق کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

باقی رہیں بعض وہ حدیثیں جو دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کو نا جائز قرار دیتی ہیں جیسا کہ حاکم نے مستدرک کتاب الصلوٰۃ باب الزجر عن الجمع بین الصلوٰتین بلا عذر۔ میں حنش سے، اس نے عکرمہ سے، اس نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے دو نمازوں کو جمع کیا وہ گناہان کبیرہ کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔

علاوہ اس کے کہ یہ حدیث مخالف قرآن اور مخالف احادیث صحاح ہے اس کے متعلق علامہ ذہبی نے جو محک رجال تھے، لکھا ہے کہ حنش کو علماء رجال نے ضعیف لکھا ہے۔

اور احمد اور نسائی اور دار قطنی نے لکھا ہے کہ وہ جھوٹا تھا اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی حدیث جمع بین الصلوٰتین کو نا جائز قرار دیتی ہیں، صرف شیعوں کی مخالفت میں بنائی گئی ہیں لیکن جمع بین الصلوٰتین کو نا جائز قرار دینے کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ اکثر مسلمان تو نماز ہی نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے بھی ہیں وہ طہارت و نجاست و اجزاء شرائط نماز کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ کیونکہ دن کا وقت کاروبار دنیا اور کسب معاش کا ہے۔ جس کے لئے انسان مجبور ہے کوئی نوکر ہے، غیر کا تابع فرمان

ہے۔کوئی تاجر ہے،کوئی مزدور ہے۔کوئی موٹر چلاتا ہے،کوئی ریل چلاتا ہے،کوئی کھیتی کرتا ہے، ہرقوم وملت سے خلط ملط ہرقسم کی گندگی ونجاست سے آلودگی رہتی ہے کوئی صبح سے شام تک کا مزدور ہے کسی کو ساری رات ڈیوٹی دینا پڑتی ہے ایسی صورت میں انسان کے لئے کہاں ممکن ہے کہ زوال آفتاب سے لیکر نصف شب کے اندر چار مرتبہ اپنے کاروبار سے فرصت حاصل کرلے۔اس کے بعد نجاست وگندگی،تیل اور پسینہ اپنا اورغیر کا جسم سے صاف کرے،گندے کپڑے اتار کر پاکیزہ کپڑا پہنے اور نماز پڑھے۔ اگر نوکر ہے تو مالک اجازت نہیں دیتا اس کے کاروبار کا نقصان ہوتا ہے۔اگر تاجر ہے تو گاہک ٹوٹتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر نے تو نماز ہی چھوڑ دی۔ہاں آٹھویں روز جمعہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں یا عید اور بقرعید میں ٹکر لگا لیتے ہیں اور جو نمازی ہیں وہ اسی نجاست وگندگی کی حالت میں چار ٹکریں لگا لیتے ہیں۔

لیکن زوال سے غروب تک کے اندر ایک مرتبہ اسی طرح غروب سے نصف شب کے اندر ایک مرتبہ کاروبار سے فرصت کر کے طہارت کر کے نماز پڑھ لینا آسان ہے ہر شخص اس کو برداشت کرسکتا ہے سوائے اس کے جس پر شیطان بالکل مسلط ہو کہ وہ نماز پڑھنا ہی نہ چاہتا ہو۔

غرض یہ کہ انسان کی انہیں دشواریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خدا اور خدا کے رسول نے اوقات نماز ایسے مقرر فرمائے کہ ہر شخص بآسانی نماز پنجگانہ ادا کرسکے اور دین اسلام انسان کے لئے مصیبت نہ بن جائے۔

احادیث بطریق امامیہ:

عبیدہ ابن زرارہؒ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضرتؑ نے فرمایا کہ جب زوال آفتاب ہوجائے تو ظہر اور عصر دونوں کا وقت داخل ہوگیا۔لیکن یہ کہ ظہر قبل عصر کے ہے اس کے بعد پھر تمہارے لئے دونوں ہی کا وقت یہاں تک کہ آفتاب غائب ہوجائے اور جب آفتاب ڈوب گیا تو مغرب اور عشاء دونوں نمازوں کا وقت داخل ہوگیا نصف شب تک لیکن یہ کہ مغرب قبل عشاء کے ہے۔(مستمسک العروہ جلد ۳ ص ۱۶ و ص ۱۷)

حدیث نمبر ۲:

زرارہؒ نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے لوگوں کو قبل اس کے کہ مغرب کا شفق زائل ہو، مغرب اور عشاء کی نماز بجماعت پڑھائی اور یہ اس لئے کیا کہ امت کے لئے وسعت رہے۔(مستمسک جلد ۳ ص ۲۷)

حدیث نمبر ۳۔

اسحاق بن عمارؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ حضر میں قبل اس کے کہ شفق زائل ہو بغیر کسی عذر کے مغرب اور عشاء کی نماز ملا کر پڑھی جاسکتی ہے؟ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔(مستمسک بحوالہ بالا)

حدیث نمبر ۴۔

زرارہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر

صادقؑ سے دریافت کیا کہ ایک شخص شفق زائل ہونے کے قبل نماز عشاء پڑھتا ہے تو فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔(مستمک بحوالہ بالا)

حدیث نمبر۵۔

داؤد بن فرقد سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب زوال آفتاب ہوجائے تو ظہر کا وقت داخل ہوگیا۔ یہاں تک کہ چار رکعت کا وقت گزر جائے۔اور جب چار رکعت کا وقت گزر گیا تو ظہر اور عصر دونوں کا وقت داخل ہوگیا۔ یہاں تک کہ آفتاب ڈوبنے کو صرف چار رکعت کا وقت باقی رہے تو ظہر کا وقت ختم ہوگیا اور صرف عصر کا وقت ہے یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے۔(مستمسک جلد ۳ ص ۱۸)

حدیث نمبر۶:۔

علی بن عبداللہ وراق اور علی بن محمد قزوینی نے سعد بن عبداللہ سے انہوں نے عباس بن سعید ازرق سے، انہوں نے زہیر بن حرب سے، انہوں نے سفیان بن عینیہ سے، انہوں نے زبیر سے، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے بغیر کسی خوف یا بغیر سفر کے نماز ظہر اور عصر جمع کر کے پڑھائی۔ابن عباس نے کہا کہ حضرت کا یہ قصد تھا کہ امت کے لئے حرج نہ ہو۔

(وسائل الشیعہ کتاب الصلوٰۃ باب جواز الجمع بین الصلوٰتین بغیر عذر)

حدیث نمبر۷:۔

صاحب علل نے اپنے اسناد کے ساتھ عون بن جعفر مخزومی سے انہوں نے داؤد

بن غراء سے ، انہوں نے صالح سے، انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے بغیر بارش اور بغیر سفر کے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھائیں تو ابن عباس سے پوچھا گیا کہ حضرت نے ایسا کیوں کیا تو فرمایا کہ حضرت کا مقصود یہ تھا کہ امت کے لئے وسعت رہے۔ (وسائل الشیعہ بحوالہ بالا)

قرآن مجید کی آیات اور سات حدیثیں بطریق اہل سنت اور سات حدیثیں بطریق شیعہ، یہ چودہ صحیح السند حدیثیں میں نے نقل کر دیں جو صاحبان عقل اور انصاف کے لئے کافی ہیں۔

ایک شبهه کا جواب:

علمائے اہل سنت نے قول پروردگار: **حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ** (پارہ ۲ سورہ بقرہ) یعنی: حفاظت کرو نمازوں کی خاص کر وسط والی نماز کی۔ اور قول پروردگار **ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا**۔ (پارہ ۵ سورہ نساء) یعنی مومنین پر وقت وقت کی نماز واجب ہے۔ ان دونوں آیتوں سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ ہر نماز کا وقت جدا جدا ہے لہٰذا ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

لیکن یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ ان آیتوں کے کسی لفظ سے یہ معنی نہیں نکلتے کہ ہر نماز کو دو گھنٹہ چار گھنٹہ فاصلہ سے پڑھنا واجب ہے بلکہ پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ

نماز پنجگانہ کے ادا کرنے میں کاہلی اور سستی نہ کرو بلکہ پابندی سے ادا کرتے رہو۔اور دوسری آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے قرآن میں جن نمازوں کے جو اوقات مقرر کردیئے ہیں وہ نمازیں انہیں اوقات میں واجب ہیں یعنی صبح کی نماز صبح کے وقت میں واجب ہے اور ظہر اور عصر کی نمازیں زوال کے بعد اور قبل غروب واجب ہیں اور مغرب اور عشاء کی نمازیں غروب کے بعد نصف شب کے اندر واجب ہیں۔

واضح رہے کہ یہاں تک تو نماز پنجگانہ کے وقت مخصوص اور وقت اجزائی کا بیان تھا جن میں نمازوں کا ادا کرنا جائز ہے اور قضا نہیں ہوتیں۔لیکن شریعت نے ہر نماز کے لئے کچھ فضیلت کے اوقات بھی مقرر فرمائے ہیں جن اوقات میں نمازوں کا ادا کرنا زیادہ ثواب رکھتا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

وقت فضیلت صبح:

صبح صادق سے اس وقت تک کہ پورب کی طرف آسمان پر سرخی ظاہر ہو جائے۔

وقت فضیلت ظہر:

اول وقت زوال سے اس وقت تک ہے کہ مثلاً اگر سات بالشت کی کوئی سیدھی لکڑی زمین میں گڑی ہو تو اس کا سایہ دو بالشت بڑھ جائے اس کے بعد وقت فضیلت عصر شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے کہ اس لکڑی کا سایہ بڑھ کر چار بالشت ہو جائے۔

وقت فضیلت مغرب:

غروب آفتاب سے اس وقت تک ہے کہ پچھم کی طرف آسمان کی سرخی زائل ہو جائے۔

وقت فضیلت عشاء:

پچھم کی طرف آسمان کی سرخی زائل ہونے کے بعد ثلث شب تک ہے۔ نماز پنجگانہ کی فضیلت کے اوقات جو لکھے گئے ہیں یہی نوافل کے مخصوص اوقات ہیں سوائے نافلہ عشاء کے کہ اس کا وقت نصف شب تک رہتا ہے۔

خادم الشریعۃ المطہرہ

السید علی الرضوی قمی گوپالپوری۔ دراترولہ ضلع گونڈہ

۸/ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰/ نومبر ۱۹۶۸ء